Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.3, Issue.1 (March-2025)

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

Contemporary Consciousness of Akbar Alahabadi

اکبرالٰہ آبادی کا عصری شعور

Dr. Mubashir Hussain
Associate Professor, Govt. Associate College Phalia.
mubashirnike0@gmail.com

Abstracts
Akbar Alahabadi holds a distinguished place among the major classical poets and intellectual figures of the Subcontinent due to the depth, insight, and critical awareness reflected in his poetry. He was not merely a satirist who employed humor for entertainment; rather, he was a perceptive thinker who closely examined the realities of his age. His poetic vision encompasses a wide range of concerns, including political domination, social transformation, cultural dislocation, educational trends, economic pressures, and moral as well as religious decline.During the colonial period, a large segment of Indian Muslim society began to adopt Western lifestyles, values, and educational models uncritically. This tendency, in Akbar Alahabadi's view, threatened Islamic identity, ethical stability, and indigenous cultural traditions. Through sharp satire and subtle irony, he challenged this blind imitation and exposed the internal contradictions and moral shortcomings of Western civilization. At the same time, he emphasized that Islam provides a holistic and balanced framework capable of addressing human needs in all spheres of life.Akbar Alahabadi's poetry reveals social hypocrisy, moral erosion, intellectual confusion, and cultural alienation within Muslim society, presenting these issues in a manner that provokes reflection rather than mere ridicule. His satirical style serves a reformative purpose, aiming to protect moral values, discourage vulgarity, and resist cultural domination. Moreover, he offers thoughtful and practical perspectives on social, educational, psychological, and economic problems, which enhance the lasting relevance of his work. Consequently, his poetry stands as a strong expression of contemporary consciousness and an intellectual resistance to cultural and ideological subjugation.

Keywords: Akbar Alahabadi, Contemporary Consciousness, Muslim Identity, Western Civilization, Satire, Islamic Thought, Social Criticism

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

تعارف:

اکبر الٰہ آبادی کے ہاں عصری شعور کی پختگی، گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے دور کے ہندوستان اور اس میں آباد اقوام کے حالات اور مسائل سے نہ صرف بخوبی آگاہ تھے بلکہ انھوں نے ان حالات اور مسائل کا بڑے قریب سے مشاہدہ اور تجزیہ بھی کیا، البتہ ان کا نقطۂ نظر حالی اور سرسید سے مختلف تھا۔ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ ان کے عہد کے حالات تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے ہیں اور پرانی اقدار رفتہ رفتہ مردہ ہوتی جا رہی ہیں۔ اس احساس کے باوجود وہ بدلتے ہوئے حالات سے نہ تو مصالحت کر سکے اور نہ انھیں پوری طرح قبول کرنے پر آمادہ ہو سکے۔ اسی لیے انھوں نے ماضی سے اپنے رشتے کو یکسر منقطع نہیں ہونے دیا بلکہ اکثر وہ ماضی کی اوٹ میں چھپ کر حال کی تیز رفتاری سے "پناہ" مانگتے رہے، یہی نہیں بلکہ اس پر ناقدانہ نگاہ ڈال کر نکتہ چینی بھی کرتے رہے۔

اکبر الٰہ آبادی کے شاعرانہ رجحانات

انھوں نے اپنے زمانے کی تیز رفتاری اور اقدار کی تبدیلی کے مدِ نظر اپنا ایک نصب العین بنالیا تھا جس کے تحت وہ مشرقی تہذیب کو ہمیشہ مغربی افکار و عمل پر ترجیح دیتے رہے۔ مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید کا اندیشہ ہمیشہ انھیں ستاتا رہتا تھا، شاید ان کے دل میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ مغرب کی چمک دمک ہندوستانی قوم کو اس کی شاندار تہذیب سے دور کر دے گی۔ ان کا نقطہ نظر محض جذباتیت اور مخالفت پر مبنی نہ تھا بلکہ وہ قومی، ملی، سماجی اور تہذیبی مسائل کو وہاں سے دیکھتے تھے جہاں صرف ایک دور اندیش انسان ہی پہنچ سکتا ہے۔ اکبر نے ان مسائل کے تدارک اور عوامی شعور کو بیدار کرنے کے سلسلے میں اپنے ہم عصروں میں سب سے الگ راہ نکالنے کی کوشش کی اور وہ طنزِ لطیف کی راہ تھی جس پر گامزن ہو کر وہ قومی، ملی، تہذیبی اور سماجی مسائل کے باریک سے باریک پہلو کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بناتے رہے۔ ان کے اس رویے نے انھیں نظم نگاری میں ایک منفرد اور اہم مقام پر لا کھڑا کیا۔ بقول ڈاکٹر عبارت بریلوی:

> "انھوں نے ایک ایسا رنگ نکالا ہے جو انھیں پر ختم ہو گیا۔ یہ رنگ نہ تو ان سے پہلے موجود تھا نہ ان کے بعد کسی کے یہاں باقی رہا۔ ان کے خیالات نئے ہیں ان کے سوچنے کا انداز نیا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر نیا ہے، ان کی علامتیں نئی ہیں، ان کے اشارے نئے ہیں، ان کی امیجری نئی ہے، وہ ایک نئے لہجے کے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں بالکل ایک نئی لے ملتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ اپنے زمانے میں ایک اہم جدید شاعری کے ایک بڑے علم بردار نظر آتے ہیں۔" [۱]

اردو شاعری میں غالب کے بعد اکبر طنز و ظرافت کے باب میں سر فہرست نظر آتے ہیں ،ان کی طنز نگاری نے جہاں ارباب عقل ودانش کے قلوب واذہان کو مضطرب کیا وہیں کفر کے ایوانوں میں ہلچل بھی مچا دی۔مزاح در حقیقت احساسِ تناسب کا نام ہے اور صحیح معنوں میں مزاح نگار اس شخص کو کہتے ہیں جو عقل سلیم کی روشنی میں ہمارے عقائد، رسومات،اخلاق، طرز زندگی،انداز فکر اور عادات وغیرہ کا جائزہ لے کر ہماری بے راہ روی یا غلط روی کو ہم پر ظاہر کرتا ہے۔اس کے سامنے ایک مبسوط، آزمودہ، متعین اور حیات پرور نظام زندگی ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ ہم کس طرح اپنی حماقت، لاعلمی، خود پسندی یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس اعلیٰ معیار سے گر رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت سنجیدہ کام ہے لیکن اسے سرانجام دینے کے لیے اکبر ہمارے سامنے ایک معلم اخلاق کی صورت میں نہیں بلکہ ایک ظریف کا روپ دھار کر آتے ہیں اور اپنے انوکھے اور مضحک انداز سے ہمیں محظوظ بھی کرتے ہیں اور چونکا بھی دیتے ہیں۔در حقیقت ان کا مقصد وہی ہے جو کسی معلم اخلاق کا ہوتا ہے۔

اکبر کی شاعری برصغیر کی سیاسی اور سماجی زندگی کے کم و بیش نصف صدی کے لیل ونہار کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔انیسویں صدی کے ربع آخر اور بیسویں صدی کے ربع اول کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو گا جس کی بھرپور ترجمانی ان کے کلام میں موجود نہ ہو۔ابتدائی غزل گوئی کے بعد ان کی شاعری کا حقیقی رنگ "اودھ پنچ" کے اجراسے شروع ہوتا ہے۔اکبر نے پہلی بار طنز و مزاح کو قوم کی اصلاح کے لیے استعمال کیا،ان کے مزاحیہ رنگ طبیعت کو "اودھ پنچ" میں جولانیاں دکھانے کے بھرپور مواقع میسر آئے۔اکبر کی شاعری کا سب سے بڑا موضوع قومی تشخص اور مشرقی تہذیب واقدار کا تحفظ تھا، جنھیں اس دور میں مغربی تہذیب و معاشرت کے تند و تیز ریلوں کا سامنا تھا۔ان کا حساس دل قومی درد و احساس سے لبریز تھا اور یہی تڑپ ان کی شاعری میں رواں دواں ہے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی کا تذکرہ:

اکبر کی شاعری میں ہندو مسلم معاشرے کے تہذیبی عناصر کی اہمیت اور کمیت اگرچہ زیادہ ہے تاہم مسلمانانِ ہند کے ملی جذبہ کے فروغ میں ان کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔حالی اور شبلی کی طرح ان کی دلی تمنا بھی یہی تھی کہ وہ مسلمانوں کو تغیرات زمانہ کا احساس دلائیں اور انھیں اپنی تاریخی، تمدنی اور ملی قدروں کے احیا پر آمادہ کریں،اکبر کی شاعری کا وہ رنگ جس میں دردمندی اور تجزیاتی پہلو نمایاں ہے ملیّ شاعری کا معتبر حصہ ہے ایک نظم میں کہتے ہیں:

مسلمانو! بتاؤ تو تمھیں اپنی خبر کچھ ہے — تمھارے کیا مدارج رہ گئے ان پر نظر کچھ ہے
تمھیں معلوم ہے تم رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر — کدھر آ نکلے ہو راہ ترقی سے جدا ہو کر[۲]

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

اکبر الہ آبادی کی شاعری انیسویں صدی کے آخر تک مسلمانوں کی مذہبی و سماجی اقدار کی بازیافت کی خواہش سے عبارت ہے لیکن بیسویں صدی کے ربع اول مین جس طرح برصغیر کی سیاست ہیجان انگیز اور مضطربانہ تھی، اسی طرح اکبر کی شاعری میں بھی اضطراب نمایاں ہے انھوں نے اس دور کے ہر مسئلہ کو ایک روایت پسند مسلم کے نقطہ نظر سے دیکھا ہے اور سیاسی وتہذیبی مسائل پر نقد و تبصرہ جاری رکھا ہے نیز نئے تقاضوں کے بارے میں کسی قدر کشادہ ذہنی کا رویہ اپنایا ہے۔ اس دور میں اکبر کا کلام زیادہ تر سیاسی اور ہنگامی موضوعات پر مشتمل ہے۔ گاندھی کی سیاست، مسلم لیگ اور کانگریس کی کشمکش، شدھی اور شنگٹھن کی تحریکوں، ترک موالات اور تحریک خلافت جیسے مسائل پر ان کی بھرپور گرفت نظر آتی ہے۔ مسلمانوں کا وہ متوسط طبقہ ان کا خاص موضوع ہے جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر اپنی اخلاقی اور تمدنی اقدار بھولتا جا رہا تھا۔ بلاشبہ اکبر اردو شاعری میں موثر طنزیہ شاعری کے امام ہیں ان کا نظریہ فکر مجموعی طور پر یہ تھا۔

مذہب دبا ہوا نہ ہو فکر معاش سے — اندازہ ترقیِ ملت اسی میں ہے [۳]

یوں اکبر نے اپنے پیام سے اس ملی جذبہ واحساس کو جنم دیا جس کی نمایاں شکل ہمیں اقبال کی شاعری کی صورت میں ملتی ہے۔ ڈاکٹر سہیل احمد خان نے لکھا ہے:

> "اکبر کو اردو کی طنزیہ شاعری کا امام اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کا طنز کسی محدود تناظر کی بجائے وسیع تر تہذیبی صورت حال سے پیدا ہوتا ہے۔۔۔ ان کے نزدیک ہماری تہذیب کی جڑ مذہب میں تھی اور اس جڑ سے کٹ جانا ان کے لیے تہذیبی موت کا درجہ رکھتا تھا۔" [۴]

اکبرؔ نے اپنی ایک مسلسل غزل میں مستقبل کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ آج لفظ بہ لفظ سچ ثابت ہو رہا ہے۔ اکبرؔ کی پیش گوئیاں ملاحظہ ہوں:

یہ موجودہ طریقے راہیِ ملک عدم ہوں گے — نئی تہذیب ہو گی اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی — نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی پابندی — نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے
بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے — نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے
خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی — کھلیں گے اور ہی گل، زمزمے بلبل کے کم ہوں گے
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے — نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے
بہت ہوں گے مغنی نغمہ تقلید یورپ کے — مگر بے جوڑ ہوں گے اس لیے بے تال و سم ہوں گے

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی　　لغات مغربی　　بازار کی بھاشا سے
ضم ہوں گے

بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں　　زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہوں گے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے　　کتابوں ہی میں دفن افسانہ جاہ و حشم ہوں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہو گا نہ غم ہو گا　　ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہوں گے
تمھیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر　　بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے [۵]

اکبر نے مندرجہ بالا اشعار میں آنے والے زمانے کی جو تصویر پیش کی ہے وہ اکیسویں صدی میں بالکل سچ ثابت ہو رہی ہے۔اکبر کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں میں یہ احساس عنقا ہے کہ قومی تنزل کو کیسے روکا جائے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں ہی غائب ہو گیا ہے۔انھوں نے استعماری طاقتوں کی یلغار اور نئی تہذیب کے خلاف فکری سطح پر بھرپور جدوجہد کی، چنانچہ ان کی حق گوئی سے توہمات اور فرسودہ رسوم کے تار عنکبوت سے گلو خلاصی کے امکانات پیدا ہوئے۔

پرانی روشنی اور نئی میں فرق اتنا ہے　　اسے کشتی نہیں ملتی، اسے ساحل نہیں ملتا
پہنچتا داد کو مظلوم کی مشکل ہی ہوتا ہے　　کبھی قاضی نہیں ملتا، کبھی قاتل نہیں ملتا [۶]

مغربی تہذیب کی مخالفت:

اکبرؔ نے مسلمانوں کے مغربی طرز و ادا اختیار کرنے پر شدید طنز کا اظہار کیا ہے۔انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے کلام میں نیا رنگ پیش کیا ہے:

حرم میں مسلموں کے رات انگلش لیڈیاں آئیں　　پئے تکریم مہمان بن سنور کر بیبیاں آئیں
طریق مغرب سے ٹیبل آیا کرسیاں آئیں　　دلوں میں ولولے اٹھے ہوس میں گرمیاں آئیں [۷]
تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی　　چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں
آخر　　پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی [۸]

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

اکبر مغربی تہذیب سے اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ انھیں مغرب کی لائی ہوئی سائنس و ٹیکنالوجی سے بھی ڈر ہونے لگا تھا،اس سے وہ مشرقی اقدار کا نقصان محسوس کرنے لگے تھے:

برق کے لیمپ سے آنکھوں کو بچائے رکھنا روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے[۹]

اگر اکبر کی علامت برق کو آج کے دور میں کیبل ٹیلی ویژن' سیل فون اور انٹرنیٹ سے بدل کر دیکھیں تو آج مغرب کی یہ سائنسی دریافتیں اپنے غلط استعمال کے سبب مشرقی تہذیب،انسانی اقدار اور اسلامی تشخص کو شدید نقصان پہنچا رہی ہیں۔ جن کا اندازہ اکبر کی دور اندیشی اور بصیرت کو بہت پہلے ہو گیا تھا۔اس دور میں لڑکیوں کی تعلیم کے نام پر بے پردگی، مردوں کی مجلسوں میں عورتوں کی شرکت، مغربی لباس، مغربی طرز کی دعوتیں،کلب،ناچ گھر وغیرہ میں مسلمان گھرنے لگے تھے۔ اکبر نے لڑکیوں کی بے پردگی پر چوٹ کرتے ہوئے اپنا یہ مشہور قطعہ کہا:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا [۱۰]

مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر کمزور کرنے کے بعد انگریزوں نے مذہبی محاذ پر بھی سازشیں کیں اور عیسائیت کی تبلیغ کے علاوہ خود مسلمانوں کے دلوں میں مذہب اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے۔انگریزوں کے ساتھ ملازمت کرتے ہوئے اور ان کی تہذیب و تمدن اختیار کرتے ہوئے مسلمان اسلامی اقدار سے دور ہونے لگے۔انیسویں صدی کے ان سیاسی و سماجی حالات کا اکبر نے قریب سے جائزہ لیا۔وہ خود بھی دوران ملازمت انگریزوں سے کافی قریب رہے تھے۔انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر مسلمانوں کو انگریزی تہذیب کے برے اثرات سے نہ روکا گیا تو مسلمانوں کا اسلامی تشخص ختم ہو جائے گا۔ علامہ اقبال اپنے ایک خطبے میں فرماتے ہیں:

"جناب مولانائے اکبر الہ آبادی جنھیں موزوں طور پر لسان العصر کا خطاب دیا گیا ہے،اپنے بذلہ سنجانہ پیرایہ میں ان قوتوں کی ماہیت کے احساس کو چھپائے ہوئے ہیں جو آج کل مسلمانوں پر اپنا عمل کر رہی ہیں۔ان کے شباب آور قہقہے ان کے آنسوئوں کے پردہ دار ہیں۔ "[۱۱]

مسلمانوں کی علمی زبوں حالی کا تذکرہ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نے مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کو اس فیصلے کی طرف بھی متوجہ کیا کہ ایسا تعلیمی نصاب بنا کر ہندوستان میں رائج کیا جائے جو مسلمانوں کو دوبارہ حکومت اور انگریزی سرکار کے خلاف سوچنے سے باز رکھے۔ اکبر الہ آبادی

انگریزوں کی تعلیمی پالیسی کے پس پردہ مقاصد سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو ان مذموم مقاصد سے آگاہ کرنے کے لیے شاعری کو وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ مغربی پالیسی کے اثرات کو آپ نے شیخ کی زبانی یوں بیان کیا ہے:

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے ۔۔۔ دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے[۱۲]

تعلیم کے طور طریقے بدلنے سے زندگی گزارنے اور اولاد کی تربیت کے قدیم طور طریقے بھی بدل جاتے ہیں۔ رہن سہن اور خوراک بھی تبدیل ہوتی ہے جس کا اثر نئی نسلوں پر ضرور پڑتا ہے۔ اکبر کو اس بات کا بھی شدید احساس تھا:

طفل سے بُو آئے کیا، ماں باپ کے اَطوار کی ۔۔۔ دودھ تو ڈبے کا ہے، تعلیم ہے سرکار کی [۱۳]

انگریزی نظام تعلیم اور تعلیمی پالیسی کا شاعرانہ علمی محاکمہ:

دراصل اکبر اپنے اشعار کے ذریعے انگریزوں کی نئی تعلیمی پالیسی کے اثرات اور نتائج سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ نوجوان نسل اپنے ماں باپ، اپنے تہذیبی و تمدنی عروج، دینی غیرت اور باہمی ہمدردی سب کو بھول جائے گی اور ان کے دل میں فقط یہ خواہش پیدا ہوگی کہ ہمیں صرف ڈاکٹر یا انجینئر بننا ہے اور بس۔ اس سوچ کو اکبر قوم اور ملت کے لیے خطرناک قرار دیتے ہیں:

ماں باپ سے، شیخ سے، اللہ سے کیا ان کو کام ۔۔۔ ڈاکٹر جنوا گئے، تعلیم دی سرکار نے[۱۴]

انگریزوں کی نئی تعلیمی پالیسی کا ماحصل اکبر یوں سامنے لاتے ہیں:

میں کیا کہوں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے ۔۔۔ بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے[۱۵]

اکبر کے نزدیک سامراج کی نئی تعلیمی پالیسی میں انسان کو انسانیت اور کمال کی طرف لے جانے کا عنصر موجود ہی نہیں کیونکہ تعلیمی نصاب مرتب کرنے والے انسان کی ابتدا حضرت آدم کی بجائے ڈارون کے نظریے کے قائل ہیں۔ ان کا مرتب کردہ نصاب بندر کی شکل کے انسان کے لیے تو موزوں ہو سکتا ہے لیکن آدم کی شکل میں انسان سے مناسبت نہیں رکھتا:

نئی تعلیم کو کیا واسطہ آدمیت سے ۔۔۔ جناب ڈارون کو حضرت آدمؑ سے کیا نسبت[۱۶]

اکبر کے بعض اشعار کو پڑھنے کے بعد کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا تصورِ زندگی بہت محدود، فرسودہ اور ترقی و جدیدیت سے عاری ہے۔ علاوہ ازیں انھیں سائنس اور ٹیکنالوجی کا مخالف قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ جدید علوم کے مخالف ہیں نہ سائنسی ترقی کے روشن پہلوؤں سے استفادہ کرنے کے، بلکہ وہ تو صرف یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان جدید علوم اور ٹیکنالوجی حاصل کریں لیکن اپنی تہذیب وثقافت، ملی تشخص اور طرزِ حیات کسی طور پر نہ چھوڑیں۔ مسلمان قوم کے پاس اپنا واضح اور کامل تصوّرِ زندگی ہے۔ انھیں ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ کسی غیر سے تصوّرِ زندگی لیں۔

یہ تصور زندگی مسلمانوں کو ان کے روحانی پیشوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی شکل میں عطا کیا ہے لیکن جدید تعلیمی پالیسی میں دین اور خصوصاً اسلام کو کوئی خاص جگہ نہیں دی گئی، لہٰذا اکبر اس تعلیمی پالیسی سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ نہیں:

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے مگر یوں ہی کہ گویا ے زمزم میں داخل ہے[۱۷]

اکبر ان تمام نصابی کتابوں کو قابل ضبط سمجھتے ہیں جن سے اخلاق اور دینی قدریں پامال ہوتی ہوں:

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں[۱۸]

اکبر مغربی نصاب تعلیم کو قتل کا مترادف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرعون نے تو موسیٰ کی پیدائش کے خوف سے ہزاروں بچوں کو قتل کیا اور بدنام ہوا، اگر وہ تعلیمی پالیسی تبدیل کر کے تمام نئے پیدا ہونے والوں کے ذہنوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا دیتا تو فرعون پر قتل کا الزام بھی نہ آتا اور سلطنت کو بھی کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ ذہنیت کی تبدیلی قتل و غارت سے کہیں زیادہ موثر اور مفید ہوتی ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی[۱۹]

اکبر جدید علوم و فنون کے حصول کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بے شک انسان کالج میں پڑھے، پارک میں اچھلے، کودے، غباروں کے ذریعے خلائی سفر کرے، جھولا جھولے لیکن اپنی حقیقت کو ہرگز نہ بھولنے پائے۔ دراصل یہ اکبر کی طرف سے متعین کردہ ایک محفوظ راستہ ہے کیونکہ مسلمان تعلیمی اداروں سے کٹ کر بھی نہیں رہ سکتے اور وابستگی کی صورت میں نصاب تعلیم ایسا ہے کہ وہ اپنی دینی اور تہذیبی شناخت کھو بیٹھتے ہیں۔ ایسے میں اکبر نے بتادیا کہ مغربی تعلیمی اداروں میں پڑھو لیکن دلوں میں اللہ کی یاد اور اپنی اسلامی اقدار کی محبت کو کم نہ ہونے دو:

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو[۲۰]

نتیجہ تحقیق: مندرجہ بالا جائزے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اکبر کی شاعری اس دور کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کا احاطہ کرتی ہے، جھنجھوڑتی ہے اور اصلاح احوال کا حل بھی بتاتی ہے۔ اکبر کی شاعری کو حالی کے سوز و غم سے بھی گہری نسبت ہے، شبلی کی سیاسی بصیرت سے بھی رشتہ قائم ہے اور اقبال کی دور اندیشی سے بھی اس کا دامن بندھا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مقاصد کے اشتراک کے باوجود اکبر الٰہ آبادی کا شعری رنگ اور آہنگ سب سے جدا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو شاعری، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶

۲۔ اکبر الہ آبادی، کلیاتِ اکبر، مرتبہ، نارنگ ساقی، میڈیا انٹر نیشنل، دہلی ۱۹۹۸ء، ص ۵۰۳

۳۔ ایضاً ، ص ۳۴۷

۴۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر، قومی اور ملی شاعری، مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد چہارم، جامعہ پنجاب، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۶

۵۔ نورالحسن، مرتبہ، اکبر الہ آبادی اور ان کا کلام، مکتبہ شاہراہ، دہلی، ۱۹۶۴ء، ص ۴۳

۶۔ ایضاً ، ص ۷۱۔۷۲

۷۔ ایضاً ، ص ۷۳

۸۔ ایضاً ، ص ۸۲۔۸۳

۹۔ ایضاً ، ص ۸۳-۸۶

۱۰۔ سید حسن، مرتبہ، اشعارِ اقبال، کتاب منزل سبزی باغ، پٹنہ، س۔ن، ص ۱۱۷

۱۱۔ /http://irak.pk/education-and-akbar-allahabadi

۱۲۔ نورالحسن، مرتبہ، اکبر الہ آبادی اور ان کا کلام، ص ۱۱۳

۱۳۔ ایضاً ، ص ۱۹

۱۴ اکبر الہ آبادی، کلیاتِ اکبر، ۱۹۹۸ء ص ۵۰۸

۱۵۔ ایضاً ، ص ۳۲۱۔۳۲۵

۱۶۔ ایضاً ، ص ۳۲۸

۱۷۔ ایضاً ، ص ۳۳۱۔۳۳۲

۱۸ نورالحسن، مرتبہ، اکبر الہ آبادی اور ان کا کلام، ص ۱۱۸

۱۹۔ ایضاً ، ص ۹۸

۲۰۔ ایضاً ، ص ۶۶

References

Akbar Allahabadi. (1998). *Kulliyāt-e-Akbar* (S. Narang, Ed.). Media International.
Barelvi, I. (1983). *Urdu shāʿirī*. Educational Book House.
Hasan, N. (Ed.). (1964). *Akbar Allahabadi aur un kā kalām*. Maktaba Shahrah.
Hasan, S. (Ed.). (n.d.). *Ashʿār-e-Iqbal*. Kitab Manzil.
Khan, S. A. (2010). Qaumi aur milli shāʿirī. In *Tārīkh-e-adabiyāt-e-Musalmānān-e-Pākistān wa Hind* (Vol. 4). University of the Punjab.
IRAK. (n.d.). *Education and Akbar Allahabadi*. http://irak.pk/education-and-akbar-allahabadi/